© rasailojaraid.com

شاہد حسین رزاقی

سرسیّد کی اصلاحی تحریک کے بنیادی مقاصد

ہندوستان میں مسلمان فاتح عظمت وقوت کا پرچم لہراتے داخل ہوئے اور اس برعظیم پر سات سو برس تک حکومت کرتے رہے۔ ان کا سیاسی اقتدار ان کے معاشرتی وقار اور معاشی خوش حالی کا ضامن تھا اور علوم وفنون اور تہذیب وثقافت میں بھی ان کو فضیلت و برتری حاصل تھی۔ ان کے عہدِ حکومت میں ہندوستان نے حیرت انگیز ترقی کی اور مسلمان فرمانرواؤں، اور ان کے امراء کے تمدنی کارناموں کی بدولت ہندوستان بھی اس زمانے کے مہذب ترین ممالک میں شمار ہونے لگا لیکن ان کی قومی عظمت کی عظیم الشان عمارت حکومت وسلطنت کی بنیادوں پر قائم تھی اور جب یہ بنیادیں متزلزل ہوگئیں اور مسلمان سیاسی اقتدار سے محروم ہوگئے تو پوری قوم زوال اور پستی کے تاریک غاروں میں جاگری اور ان کا قومی وجود تک خطرے میں پڑ گیا۔

انگریزوں نے مسلمانوں سے ہندوستان کی سلطنت چھینی تھی اور ان کو یہ اندیشہ تھا کہ وہ اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ سراج الدولہ، میر قاسم حیدر علی اور ٹیپو سلطان جیسے حریت پسندوں کی شدید مقاومت اور ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی زبردست جد وجہد کی بنا پر انگریز اپنے اس اندیشے کو حقیقت سمجھنے لگے تھے اور مسلمانوں کو کمزور رکھنے کے لیے انھوں نے ہندوؤں کی سرپرستی کرنے کی پالیسی اختیار کرلی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی شورشِ عظیم نے انگریزوں کو بہت خوف زدہ کردیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کی طرف سے آیندہ خطرات کا انسداد کرنے اور اپنے جذبۂ انتقام کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پوری مسلم قوم کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور اس کو اتنا ذلیل وخوار، مفلس و محتاج اور تباہ وبرباد کردیا کہ اس کے زندہ رہنے کی تمام راہیں مسدود نظر آنے لگیں۔ ۱۷۶۵ء میں شاہ عالم اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درمیان معاہدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ کا ایک بدترین حادثہ تھا۔ اس سے مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کی جڑیں کٹ گئیں اور انگریزوں کی حکومت کا آغاز ہوا۔ بنٹنک اور ڈلہوزی کی پالیسی نے ان کو شدید معاشی مشکلات میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ سرسید کے زمانے میں مسلمان قوم نہایت نازک اور مایوس کن حالات سے گذر رہی تھی اور وہ قدرتی طور پر اپنی قوم کی اس تباہی و بربادی سے بہت متاثر ہوئے۔ لیکن انتہائی صبر آزما اور ہمت شکن حالات میں بھی وہ مستقبل سے مایوس اور احساسِ شکست سے مغلوب نہ ہوئے۔ انھوں نے اپنی قوم کے زوال اور تباہی کے اسباب کا جائزہ لیا اور اس کو تباہی سے بچانے اور اس کے مستقبل کو بہتر بنانے کا آہنی عزم لے کر میدانِ عمل میں اُتر آئے۔

سرسید ہندوستان میں ایک باعزت قوم کی حیثیت سے مسلمانوں کا تحفظ کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے ایک جامع منصوبہ بنایا اور اس کے مطابق ایک ایسی تحریک شروع کی جو بہت وسیع اور ہمہ گیر تھی اور سیاست، معاشرت، معیشت، دین، اخلاق، تعلیم، ثقافت غرض کہ زندگی کے تمام اہم شعبوں کی اصلاح و ترقی اس کے دائرۂ عمل میں شامل تھی۔ یہ بہت بڑا اور بہت مشکل کام تھا لیکن سرسید اپنے مقصد پر پوری ثابت قدمی سے اڑے رہے اور اپنی اصلاحی کوششوں کو رفتہ رفتہ ایک ملک گیر تحریک بنا کر حصولِ مقصد کی راہ ہموار کر لی۔

سرسید کا تجزیۂ مسائل

سرسید کی یہ تحریک بہت وسیع اور جامع تھی اور انھوں نے بہت غور و خوض کے بعد اس تحریک کے مقاصد کا تعین کیا تھا۔ مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کے لیے انھوں نے ۲۹ نکات پر مشتمل ایک خاکہ بنایا تھا اور ان کی مذہبی، تعلیمی اور اقتصادی حالت درست کرنے کو انتہائی اہمیت دے کر اس بارے میں اپنی یہ رائے اربابِ فکر کے سامنے پیش کی تھی:

"مسلمانوں کی رائے اور ان کے خیالات ہر ایک امر میں تقلید کرنے کرنے رسومات کے پابند رہتے رہتے پست اور پامال ہو گئے ہیں۔ جن کے سبب کسی قسم کی ترقی کی تحریک ان میں نہیں ہوتی پس جب تک کہ رائے کی آزادی ان میں پیدا نہ ہو گی اس وقت تک ان میں تہذیب نہیں آئے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ہندوستان کے مسلمانوں کے عقائد مذہبی جو ان کی کتابوں میں لکھے ہیں وہ اور ہیں جو ان کے دلوں میں ہیں اور جن کا ان کو یقین بیٹھا ہوا ہے وہ اور ہیں۔ ہزار ہا عقائد شرکیہ ان کے دلوں میں ہیں۔ پس ان کی تہذیب کرنا اور اپنے عقائد کو ہیئتِ اسلام کے مطابق کرنا اور اس پر یقین رکھنا تہذیب و شائستگی حاصل کرنے کی اصل جڑ ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں صد ہا خیال اور توہمات ایسے موجود ہیں جن کو وہ عمدہ افعالِ مذہبی سمجھ کر ادا کرتے ہیں حالانکہ ان کو مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ یا تو وہ بدعت ہیں یا رسومات و خیالاتِ کفر و شرک ہیں جو باعث ہمارے نامہذب ہونے کے ہیں۔ پس ہم کو مہذب ہونے کے لیے ان کی تہذیب درکار ہے۔ ہمارے مذہب کے بعض صحیح اور اصل مسائل ایسے ہیں جن کی پوری پوری تحقیق و تدقیق اب تک نہیں ہوئی اور اگرچہ وہ مسائل فی نفسہٖ صحیح و درست ہیں لیکن بیان واضح اور تحقیق کامل نہ ہونے کے سبب علوم عقلیہ کے برخلاف اور تہذیب و شائستگی کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ پس ہم کو ان کی تشریح و تہذیب کرنی چاہیے۔ بعض مسائل ایسے بھی ہیں یا یوں کہو بعض ایسے مسائل کا ہونا ممکن ہے جن میں متقدمین نے غلطی کی ہو پس ان کو بحث میں لانا اور ایک منقح ٹھہرانا ہمارے لیے ضروری ہے۔

"مذہب کے بعد جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ تعلیم ہے۔ ہم کو زمانہ گذشتہ اور حال پر نظر کر کے ایسا طریقہ تعلیم متعین کرنا چاہیے جس سے علوم دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تعلیم کا اعلیٰ درجہ تک ہم کو قابو ملے۔ ہمارے لیے صرف طریقہ تعلیم متعین کرنا ہی کافی نہ ہوگا بلکہ آپس کی مدد اور مجموعی ہمت اور فیاضی سے اس کا سامان بھی مہیا کر دینا ضروری ہوگا۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ قومی تہذیب اور شائستگی کے لیے عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ پس ہم کو لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اور ان کو دستکاری سکھانے کے لیے کوئی عمدہ بندوبست کرنا چاہیے۔

"اپنی قوم میں ہر قسم کے ہنر اور صنعت اور فن و حرفہ کو پھیلانا و ترقی دینا قومی تہذیب کے لیے ایک بڑا جزو ہے۔ زراعت کی ترقی اور کاشت کاری کی حالت کی بہتری قومی ترقی اور تہذیب میں بڑا اثر رکھتی ہے اور اس میں ہم کو بہت کچھ کرنا ہے۔ تجارت سب سے آخری جزو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے قومی ترقی اور تہذیب و شائستگی حاصل کرنے کا اور ہم مسلمانوں میں سے یہ امر بالکل متروک ہو گیا ہے ۔ پس ہم کو اپنی قوم میں اس کا رواج دینا اور عمدہ اصول پر اس کو قائم کرنا ایک بہت بڑا امر واسطے تہذیب و شائستگی حاصل کرنے کے ہو گا" سر سید کے یہی خیالات ان کی تحریک کی اساس تھے۔ مسلمانوں میں جدید علوم کی اشاعت اور ان کے طریقہ تعلیم کی اصلاح و ترقی، ان کے دینی عقائد و نظریات کی درستی ان کے اخلاق و کردار اور معاشرتی خرابیوں کی اصلاح، ان کی تہذیب و ثقافت کی حفاظت اور ان کے سیاسی حقوق اور قومی وجود کا تحفظ اہم ترین قومی مسائل تھے اور اسی بنیاد پر سر سید اپنی قوم کے مستقبل کی عمارت تعمیر کرنا چاہتے تھے ۔ انہی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اپنی تمام کوششیں اور صلاحیتیں وقف کر دی تھیں اور آخر کار ان کی جد و جہد نے ایک عظیم اصلاحی تحریک کی شکل اختیار کر لی جو سارے ملک میں پھیل گئی۔ اور جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل پر نہایت گہرا اثر ڈالا ۔

تعلیم کی اصلاح و ترقی

ہندوستان میں زوال پذیر مسلمانوں کے مستقبل کو بہتر اور کامیاب بنانے کے لیے ان میں ایک ذہنی و عملی انقلاب پیدا کرنے کی ضرورت تھی اور بہت غور و فکر کے بعد سر سید اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ قوم میں یہ انقلاب اسی وقت ہو سکتا ہے جب نئی نسل کو صحیح قسم کی تعلیم دی جائے ۔ اس وقت ہندوستان میں قدیم اور جدید دونوں قسم کی تعلیم ناقص تھی اور مسلمانوں کو ان دونوں سے نقصان پہنچ رہا تھا ۔ قدیم طرز کی تعلیم نئے حالات میں بالکل بیکار تھی ۔ اس سے زندگی کے مسائل حل کرنے میں کوئی مدد نہ ملتی تھی اور نتائج کے اعتبار سے یہ تعلیم قوم کے لیے جہالت سے بھی زیادہ خطرناک ہو گئی تھی اور اس ملک میں رائج جدید تعلیم میں بڑی خرابی یہ تھی کہ اس کا بنیادی مقصد انگریز حکمرانوں کے سامراجی مقاصد کو تقویت پہنچانا تھا ۔ چنانچہ انھوں نے ہندوستان میں لادینی تعلیم کا جو نظام قائم کیا تھا اس کی برائیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا بہت دشوار تھا اور یہ خطرہ لاحق تھا کہ اس کی وجہ سے جدید تعلیم یافتہ مسلمان اسلام کے بنیادی مقاصد اور اس کے اصول و نظریات کی حکمت و حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکیں گے اور یہ لاعلمی ان کے ذہن میں دینی صداقتوں کے متعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکوک وشبہات پیدا کردے گی اور وہ مذہب کو دنیاوی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ تصور کرنے لگیں گے۔

سیاسی اور اقتصادی میدان میں مسلمانوں کو ہندوؤں سے شدید مقابلہ درپیش تھا جو تعلیم میں بہت آگے ہوگئے تھے۔کیونکہ مسلمانوں کے برعکس ہندوؤں کے لیے جدید تعلیم ہر لحاظ سے بہت مفید تھی۔ان کے مذہب اور لادینی تعلیم میں کوئی تصادم نہ تھا اس لیے کہ ہندوؤں کے مذہبی عقائد محض رسوم ورواج اور توہمات تک محدود ہیں اور زندگی کے مقاصد ومسائل اور ترقی پذیر معاشرہ کے تقاضوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔چنانچہ ہندوؤں نے جدید تعلیم کو اس بنا پر خوشی سے قبول کرلیا کہ یہ ان کی معاشی خوش حالی، معاشرتی اصلاح اور ذہنی تربیت کا نہایت مؤثر ذریعہ بن جائے گی اور مغربی نظریات ہندو معاشرہ کے اہم خلاؤں کو پُر کردیں گے۔مسلمان نہ تو جدید علوم کی ضرورت واہمیت سے واقف تھے اور نہ جدید نظام تعلیم کے نقائص دُور کرکے اس کو اختیار کرنا چاہتے تھے۔ان کا نظریہ بس یہ تھا کہ جدید علوم ناپاک ہیں اور انگریزی پڑھنا خلافِ مذہب ہے اور ان کا یہ تعصب اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ جب حکومت نے ہندوستان میں انگریزی تعلیم جاری کی تو آٹھ ہزار مسلمان رئیسوں اور عالموں کے دستخط سے اس کے خلاف ایک محضر نامہ پیش کرکے یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ حکومت اس طریقے سے لوگوں کو عیسائی بنانا چاہتی ہے۔بدلے ہوئے حالات میں جدید علوم اور انگریزی کی تعلیم معاشرتی ترقی اور خوش حالی کے لیے لازمی تھی اور ہندو اس سے پورا فائدہ اٹھا رہے تھے لیکن مسلمان اس سے محروم تھے۔ان تمام حالات کے پیش نظر سرسید اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کو ایسی تعلیم دی جائے کہ وہ تمام جدید اور مفید علوم اور اس کے ساتھ ہی اسلام کی صحیح تعلیمات اور زندگی کے اعلیٰ اصول ومقاصد سے پوری طرح باخبر ہوجائیں اور ملک اور معاشرہ کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق تمام اہم مسائل کو بخوبی حل کرسکیں چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کی تعلیم پر پوری توجہ کی اور اپنے مقاصد ونظریات کو عملی شکل دینے کے لیے علی گڑھ کالج قائم کیا جو ان کی اصلاحی تحریک کا مرکز بن گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینی عقائد و نظریات کی درستی

اس وقت ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ یہ تھا کہ خود مسلمان اسلام کی صحیح تعلیمات سے بہت دور ہو گئے تھے اور غیر اسلامی اثرات نے ان کے عقائد و نظریات اور دینی تصورات کو بری طرح مسخ کر دیا تھا۔ سرسید کے زمانے میں مسلمانوں کا تصور مذہب نہایت محدود، جامد اور روایتی ہو گیا تھا اور وہ اس حقیقت کو بھول گئے تھے کہ اسلام ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی رہبری کر سکتا ہے اور ایک ترقی پذیر انسانی معاشرہ کے تقاضے ہر زمانے میں اسلام کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں۔ اس گمراہی کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے بگڑے ہوئے عقائد اور نظریات کو درست کرنے کے بجائے اپنے غیر اسلامی معتقدات رسوم و رواج اور توہمات کو برقرار رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھتے تھے۔ ان کے اس طرزِ عمل سے اسلام کے مخالفوں اور عیسائی مبلغوں کو اسلام کے خلاف پراپیگنڈا کرنے کے وسیع مواقع مل گئے تھے اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں یہ غلط خیال پھیلایا جا رہا تھا کہ اسلام کے فرسودہ اصول موجودہ زمانے کے لیے بیکار ہیں اور معاشرہ کی فلاح و ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ اس پروپیگنڈا نے قدرتی طور پر نوجوانوں کے تجسس پسند ذہن میں اسلامی تعلیمات کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کر دیئے تھے اور اس بات کا امکان یقینی نظر آتا تھا کہ اگر ان شبہات کا تسلی بخش جواب دے کر ان کو مطمئن نہ کیا گیا تو اپنے مذہب کی حقیقت سے ناواقف مسلمان اسلام سے بدگمان ہونے لگیں گے اور یہ بدگمانی الحاد و ارتداد کے دروازے کھول دے گی۔ یہ صورتِ حال نہایت خطرناک تھی، لیکن اس کو نہ تو عام مسلمان محسوس کرتے تھے اور نہ مذہبی طبقے میں جس کی دینی سرگرمیاں مناظرہ بازی اور کافر سازی تک محدود تھیں، اتنی صلاحیت تھی کہ وہ ایسے نازک وقت میں عوام کی صحیح رہبری کر سکتا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے آگاہ کر کے ان کے بگڑے ہوئے عقائد درست کیے جائیں اور اسلام کے بنیادی اصولوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے دینی افکار و نظریات کی اس طرح تشکیل کی جائے کہ وہ نئے دور میں زندگی کے اہم مسائل کو حل کر سکیں اور معاشرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہر جہتی اصلاح و ترقی میں مدد دیں۔ اس اہم تقاضے کو سرسید نے پوری طرح محسوس کیا اور اسلامی تعلیمات کی تشریح و تاویل کو بھی اپنی اصلاحی تحریک کا ایک بنیادی مقصد بنالیا۔

معاشرہ کی اصلاح

سرسید کے زمانے میں ہندوستانی مسلمانوں کی معاشری زندگی میں ہر قسم کی برائیاں پیدا ہوگئی تھیں اور معاشرہ کی بگڑی ہوئی حالت کو درست کرنا ایک بہت اہم اور نہایت مشکل مسئلہ تھا۔ جہالت کی وجہ سے مسلمان پیری مریدی کے دام میں گرفتار تھے۔ تعصب اور تنگ نظری نے اتنی شدید فرقہ پرستی پیدا کردی تھی کہ ملی اتحاد کی اہمیت فراموش کردی گئی تھی۔ معاشی بدحالی نے عوام کی حالت تباہ کردی تھی۔ معزز خاندانوں اور شریف گھرانوں کے افراد اخلاق و عادات کے اعتبار سے نہایت پست ہوگئے تھے۔ قومی کردار بگڑ گیا تھا۔ تباہ کن رسوم و رواج کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔ طرزِ معاشرت میں تہذیب و شائستگی مفقود ہورہی تھی۔ عائلی زندگی میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں اور عورتوں کو ان حقوق سے محروم کردیا گیا تھا جو اسلام نے ان کو عطا کیے ہیں۔ ان گوناگوں خرابیوں نے پورے معاشرہ کا حلیہ بگاڑ دیا تھا اور ان خرابیوں کو دور کیے بغیر مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو درست کرنا اور ان کے مستقبل کو بہتر بنانا تقریباً ناممکن تھا۔ سرسیّد نے ان تمام خرابیوں کو پوری طرح محسوس کیا اور معاشرہ کی ہر جہتی اصلاح و ترقی کو اپنی تحریک کا بنیادی مقصد قرار دے کر اس کے حصول کے لیے زبردست جدوجہد کی۔

تہذیب و ثقافت اور اُردو زبان کی حفاظت

اگرچہ مسلمانوں کی معاشی حالت خراب ہوگئی تھی اور ان کے طرزِ معاشرت کے کئی پہلو اصلاح طلب تھے، تاہم وہ ایک عظیم الشان تہذیب و ثقافت کے وارث تھے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی یہ تہذیب صدیوں کی کوششوں کا نتیجہ تھی اور اس ملک میں مسلمانوں کی بقا و استحکام کے لیے اس تہذیب کی حفاظت کرنا اور اس کو ترقی دینا لازمی تھا۔ تہذیب کی اس اہمیت کو سرسید پوری طرح محسوس کرتے تھے اور اردو زبان کو وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی اساس اور قومی اتحاد کی ضمانت تصور کرتے تھے۔ چنانچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے اُردو کی ترویج و ترقی اور تحفظ کو اپنی تحریک میں بہت نمایاں اہمیّت دی اور اس کے مخالفوں کا شدت سے مقابلہ کیا اور آخر کار یہی مسئلہ ان کے سیاسی نظریات اور نصب العین میں تبدیلی کا آغاز بن گیا۔

سر سید اردو زبان کو ہندوستان میں مسلمانوں کی تہذیب کا مظہر اور مختلف قوموں میں اتحاد پیدا کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے لیکن جب بنارس کے فرقہ پرست ہندوؤں نے اُردو ہندی کا قضیہ کھڑا کر دیا اور اُردو زبان اور فارسی رسم الخط کو موقوف کر کے بنارس کی مقامی بھاشا کو دیوناگری رسم الخط میں جاری کرنے کی کوشش کرنے لگے، اُردو یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے سر سیّد کی تجویز کے مقابلے میں ہندی یونیورسٹی قائم کرنے کا مطالبہ پیش کیا اور اُردو کے خلاف تحریک چلانے کے لئے الہ آباد میں مرکزی مجلس قائم کر دی، تو سر سید کو یقین ہو گیا کہ اب ہندوؤں اور مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ ساتھ چلنا محال ہے۔ چنانچہ ان کے سیاسی نظریات میں بھی تبدیلی ہونے لگی اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی حفاظت کے لیے انھوں نے اُردو زبان کی ترقی و تحفظ کو اپنی تحریک کا ایک بنیادی مقصد بنا دیا۔

سیاسی حقوق اور قومی وجود کا تحفظ

سر سید کے سیاسی نقطۂ نظر میں تبدیلی کے بعد مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ بھی ان کی تحریک کا ایک اہم مقصد بن گیا۔ اس زمانے میں ہندوستانی مسلمانوں کو جن خطرات کا سامنا تھا ان میں انگریز حکمرانوں کی سیاسی پالیسی ان کے حق میں بڑی تباہ کن تھی۔ مسلمانوں کو کمزور رکھنے کے لیے انگریز ہندوؤں کی سرپرستی کر رہے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ وطنی قومیت اور اکثریت کی حکومت کے نظریہ کو ہندوستان میں بھی بتدریج روبہ عمل لایا جائے۔ انگریز اس سے بے خبر نہ تھے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت چونکہ مذہب پر مبنی ہے اس لیے یہ دائمی اکثریت ہے اور اگر اس مذہبی اکثریت کو سیاسی اکثریت قرار دے کر حکومت اس کے حوالے کر دی گئی تو یہ حکومت جمہوری کے بجائے استعماری ہوگی۔ لیکن انگریز اپنی سیاسی مصلحتوں کے تحت اور ہندو اپنے مفاد کے پیشِ نظر اس سامراجی طرزِ عمل کو جمہوری قرار دینے پر ہمیشہ اصرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے رہے۔ اپنی اسی پالیسی کے تحت انگریزوں نے ہندوستان کو ایک نئی قسم کے نظامِ حکومت سے آشنا کیا اور انڈین نیشنل کانگریس بھی قائم کی جس کی سرگرمیوں میں ہندو بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ جماعت قومی اور جمہوری حقوق کا نام لے کر جو کچھ مانگ رہی ہے وہ اگر مل گیا تو اس سے صرف ہندو ہی فائدہ اٹھائیں گے اور ہندوستان کی دوسری قوموں پر ان کی بالادستی قائم ہو جائے گی۔

مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود ہندوستان پر سیکڑوں سال تک حکومت کر چکے تھے اور قدرتی طور پر وہ نہ تو اکثریت کی حکومت کے نظریہ کو سمجھ سکتے تھے اور نہ برطانوی نظامِ حکومت سے آشنا تھے، اور ان میں اتنا سیاسی شعور بھی نہ تھا کہ وہ انگریزوں کی اس پالیسی کے مضمرات کو سمجھ سکتے، تاہم اس قوم میں کچھ ایسے لوگ تھے جو غور و فکر کی صلاحیت اور سیاسی بصیرت رکھتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ ایک قوم کے تصوّر پر مبنی جمہوری نظام مسلمانوں کے لیے نقصان رساں ہے۔ یہی سبب ہے کہ سیّد امیر علی نے یہ دعویٰ بہت شدت سے پیش کیا کہ ہندوستان کے مسلمان ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک الگ قوم ہیں اور یہ لازمی ہے کہ ایک قوم کی حیثیت سے ان کو سیاسی حقوق دیے جائیں اور ان کا تحفظ کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں میں سیاسی شعور و تنظیم پیدا کرنے اور حکومت کے سامنے مسلمانوں کے مطالبات مؤثر طور پر پیش کرنے کے لیے سنٹرل نیشنل محمڈن اسوسی ایشن بھی قائم کی گئی تھی۔

سرسید انگریزوں سے تعاون کو ملّی مفاد کے لیے نہایت ضروری خیال کرتے تھے اور ہندو مسلم اتحاد کے بڑے حامی تھے لیکن مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کو بھی وہ اپنا اہم قومی فرض سمجھتے تھے اور جب ان کو یہ یقین ہو گیا کہ ہندوستان کی ان دو بڑی قوموں میں اتحاد نہ ہو سکے گا اور ایک قوم دوسری قوم پر مسلط ہونے کی کوشش کرے گی تو وہ بھی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے جداگانہ کوششوں کو لازمی تصوّر کرنے لگے۔ اور مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور ان کے قومی وجود کا تحفظ بھی ان کی اصلاحی تحریک کا ایک بنیادی مقصد بن گیا۔ چنانچہ انھوں نے برطانوی تصوّرِ جمہوریت پر مبنی نظامِ حکومت کو ہندوستان کے لیے قطعاً ناموزوں قرار دیا۔ کیونکہ "ہندوستان ایک براعظم ہے اور مثل انگلستان یا اسکاٹ لینڈ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا ویلز یا آئرلینڈ کے ایک چھوٹا سا ملک نہیں ہے اور اس میں وسیع مختلف آبادیاں ہیں جن کے تمدنی اور اخلاقی، سوشل اور پولیٹیکل اور مذہبی اور طبیعی اور تاریخی حالات مختلف ہیں۔" اور اس کی آبادی میں "وہ ہم جنسیت" نہیں ہے جو جمہوری حکومت میں ضروری خیال کی جاتی ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس پہ ہندوؤں کے اثرات غالب ہوگئے تھے اور وہ ہنگامہ آرائی کرکے اپنے مطالبات تسلیم کرانا چاہتی تھی۔ سر سید یہ جانتے تھے کہ کانگریس جو کچھ حاصل کرے گی، اس سے صرف ہندوؤں کو فائدہ ہوگا اور مسلمان اور دوسری قومیں نقصان میں رہیں گی۔ اور اس نے ہنگامہ آرائی کی جو پالیسی اختیار کی ہے وہ خطرات سے خالی نہیں چنانچہ انھوں نے کانگریس کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے لیے ایسی منظم جدوجہد کرنے پر زور دیا جو تخریب و تصادم کے بجائے تعمیر و تعاون پر مبنی ہو اور جس کے ذریعہ مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت کرکے ایک باعزت قوم کا مرتبہ حاصل کرسکیں۔

اسلام اور چند معاشی مسائل

سید یعقوب شاہ

اس کتاب کے مصنف مالیات کے بھی ماہر ہیں اور دینی علوم سے بھی شغف رکھتے ہیں۔ اپنی اس تصنیف میں انھوں نے ربوا، زکوٰۃ اور بیمہ جیسے زندہ اور اہم معاشی مسائل پر اظہار خیال کیا ہے اور کتاب و سنت، تاریخ، عمرانیات اور اقتصادیات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد اپنے نتائج فکر شستہ اور سلیس انداز میں قلم بند کیے ہیں۔

قیمت عام ایڈیشن ۵ روپے — عمدہ ایڈیشن ۶،۵۰ پیسے

ملنے کا پتہ: سکریٹری ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com